بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا سعد صاحب پر ہونے والے اعتراضات کی تحقیق

(من جانب مولانا محمد سلمان صاحب، مظاہر علوم، سہارنپور)

(۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد: گذشتہ دنوں عزیز محترم مولانا محمد سعد صاحب سلمہ اللہ تعالی کے تبلیغی بیانات کے بعض قابل اشکال اقتباسات کے سلسلہ میں احقر نے اپنے بعض ذی علم احباب کو جن میں استاذ حدیث بھی تھے، اس بات کی طرف متوجہ کیا تھا کہ عزیز محترم سلمہ اللہ تعالی کی طرف سے آئی ہوئی تحریر جسمیں انھوں نے اپنے بیان کے اصل اور مراجع کا ذکر کیا ہے، لیکن ان میں اجمال بھی ہے، اور زیادہ تر اشارات ہیں، وہ ان معلومات کی تفصیل کے ساتھ تحقیق فرمائیں۔ خاص طور سے حوالہ جات کو جمع فرمادیں، تاکہ واقعی کوئی چیز قابل اصلاح ہو، تو اسکی اصلاح کر لی جائے۔ کہ کہیں کوئی غلط بات امت میں نہ چل پڑے۔ چنانچہ احباب نے اسکی تحقیق بھی کی، اور حوالہ جات جمع بھی کیئے۔

اب ترتیب وار اعتراضات اور ان کے جوابات، یا رجوع پیش کئے جاتے ہیں۔

اعتراض (۱۔۲) مولانا کے بیانات کے بعض اقتباسات پر بعض علماء کرام کو تفسیر بالرائے اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی شانِ اقدس میں بے ادبی کا اشکال ہوا۔

جواب : تفسیر بالرائے قرآن کریم کے معانی ومراد کو واضح کرنے میں جو بات محض عقل کی بنیاد پر کہی جائے، جس کا قرآن وسنت کے علوم سے کوئی تعلق نہ ہو، اسکو تفسیر بالرائے کہتے ہیں۔

معارف القرآن (۱؍۴۷) میں بحوالۂ اتقان مآخذِ تفسیر (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) اقوالِ صحابہ (۴) وتابعین اور (۵) لغتِ عرب کو بیان کرنے کے بعد تحریر ہے کہ: تفسیر کا آخری ماخذ تدبر اور استنباط ہے ۔قرآن کریم کے نکات واسرار ایک ایسا بحرِ ناپیدا کنار ہے، جسکی حد ونہایت نہیں۔ چنانچہ جس شخص کو اللہ تعالی نے اسلامی علوم میں بصیرت عطا فرمائی ہو وہ جتنا جتنا اسمیں غور وفکر کرتا ہے، اتنے ہی نئے نئے اسرار ونکات سامنے آتے ہیں ۔چنانچہ مفسرین کرام اپنے اپنے تدبر کے نتائج بھی اپنی تفسیروں میں بیان فرماتے ہیں۔لیکن یہ اسرار ونکات اسی وقت قابلِ قبول ہوتے ہیں جب کہ وہ مذکورہ بالا پانچ مآخذ سے متصادم نہ ہوں۔

عصمتِ انبیاء علیہم الصلوات والسلام۔

اس نازک مسئلہ کے حوالے سے حضرات اہل علم کی بعض عبارتیں پیش ہیں۔

علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر (۱۴؍۱۵۲) میں فرماتے ہیں وقال بعض المتأخرين من علمائنا والذى ينبغى

ان یقال ان اللہ تعالی قد اخبر بوقوع ذنوب من بعضهم ونسبها الیهم وعاتبهم علیها واخبروا بذلک عن نفسوهم وتنصلوا منها واستغفروا منها وتابوا۔ وکل ذلک ورد فی مواضع کثیرۃ لا یقبل التا ویل جملتها وان قبل ذلک آحادها وکل ذلک مما لا یزری بمنا صبهم وانما تلک الامور التی وقعت منهم علی جهة الندور وعلی جهة الخطأ والنسیان او تاویل دعا الی ذلک فهی با لنسبة الی غیرهم حسنات وفی حقهم سیأ ت با لنسبة الی منا صبهم وعلو اقدارهم اذ یوأخذ الوزیر بما یثاب علیه السا ئس فا شفقوا من ذلک فی موقف القیامة مع علمهم با لامن والامان والسلامة قال وهذا هو الحق ولقد احسن الجنید حیث قال حسنات الابرار سیأ ت المقربین فهم صلوات اللہ وسلامه علیهم وان کا نوا قد شهدت النصوص بوقو ع ذنوب منهم فلم یخل ذلک بمنا صبهم ولا قدح فی رتبتهم بل قد تلا فا هم واجتباهم وهداهم ومدحهم وزکاهم واختارهم واصطفاهم صلوات اللہ علیهم وسلامه۔

اسی سلسلہ میں علامہ انورشاہ کشمیریؒ فیض الباری (۲۱۱/۵) پر تحریر فرماتے ہیں ثم ان ههنا سرا وهو ان تلک کلمة صدرت من غا یة لطفه ونهایة محبته وفرط علا قته مع الرسل فا ن الالزام لا یعطی الا لمن یرجی منه خلا فه اما من لا اعتماد لک علیه فا نت لا تلقی له با لا ولا تعنقه ولا تلو مه ولا تعاتبه بشئی ولکن من کان صاحب سرك فانت لا تغفرله ادنی غفلة عنک وتؤاخذه بالنقیر والقطمیر۔

مندرجہ بالاعبارات علما سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعض باتیں جو عامیوں کیلئے جائز ہوتی ہیں وہ مقربین و متعلقین کیلئے وجہِ عتاب بن جاتی ہیں۔ اور یہ عتاب انکے تقرب الی اللہ اور تعلق مع اللہ کی دلیل ہوا کرتا ہے، جو انھیں عام مسلمانوں سے ممتاز کرتا ہے۔

جن آیات کی تفسیر کے پیشِ نظر مندجہ بالا دونوں اعتراض تفسیر بالرائے یا عصمتِ انبیاء وارد ہوئے ہیں، اب ان آیات کی تفسیر درج کی جارہی ہے۔

(۱) آیت قرآنی: وما اعجلک عن قومک یا موسی (سورۃ طٰہٰ/ ۸۵)

اس آیت کی تفسیر میں مولانا نے فرمایا حضرت موسیٰؑ قوم اور جماعت کو چھوڑ کر حق تعالیٰ کی مناجات کیلئے جلدی چلے گئے تھے، جس کی وجہ سے بنی اسرائیل کے پانچ لاکھ اٹھاسی ہزار افراد گمراہ ہو گئے۔

مولانا نے بنی اسرائیل کی گمراہی کا سبب حضرت موسیٰؑ کی جس عجلت کو سمجھا بہت سے اکابر مفسرین اسی کے سبب ہونے کی تصریح کرر ہے ہیں پھر یہ بے ادبی کیسے ہوئی!؟

چنانچہ امام رازی اپنی تفسیر (جلد۲۲،صفحہ۹۸) میں تحریر فرماتے ہیں۔ وعلی الآیۃ ای وماا عجلک عن قومک یاموسی۔سؤالات۔ السؤال الاول۔قولہ وماا عجلک استفھام وھوعلی اللّٰہ محال الجواب انہ انکار فی صیغۃ الاستفھام ولا امتناع فیہ ۔السؤال الثانی۔ان موسی علیہ السلام لا یخلواماان یقال انہ کان ممنو عاعن ذلک التقدم اولم یکن ممنو عاعنہ فان کان ممنو عاکان ذلک التقدم معصیۃ، فیلزم وقوع المعصیۃ من الانبیاء وان قلنا انہ ماکان ممنوعاکان ذلک الانکار غیر جائز من اللّٰہ تعالی۔ والجواب لعلہ علیہ السلام ماوجد نصا فی ذلک الاانہ باجتھادہ تقدم فاخطأ فی ذلک الا جتھاد فاستوجب العتاب۔

تفسیر بیضاوی (۲/۲۵،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ) میں ہے: (وما اعجلک عن قومک یا موسی) سؤال عن سبب العجلۃ یتضمن انکارھا من حیث انھا نقیصۃ فی نفسھا انضم الیھا اغفال القوم وایھام التعظم علیھم۔

اور غوثِ ربانی امام صمدانی شیخ عبدالقادر جیلانی اپنی تفسیر جو کہ مکتبہ معروفیہ کوئٹہ پاکستان سے چھپی ہے اس کی (۳/۱۵۸۔۱۵۹) میں تحریر فرماتے ہیں۔ فقال لہ سبحانہ تنبیھا علیٰ استعجالہ واضطرابہ فی أمرہ (وماأعجلک عن قومک) ای شئ أسبقک (عن قومک) المستکملین برفاقتک (یاموسی) المرسل لتکمیلھم بل من حقک أن تجئ معھم مجتمعین۔قال تبارك و تعالی: اذافارقتھم وترکتھم صرت سببالوقوعھم فی البلاء العظیم(فاناقدفتنّا)ابتلینا(قومک) الذین أبقیتھم مع أخیک أی بعد خروجک من بینھم بعبادۃ غیرنا فأشرکوا بنا۔

اور شیخ اکبر علامہ ابن عربی اپنی تفسیر (ج۲،صفحہ۵۵) میں فرماتے ہیں۔ وما اعجلک عن قومک الی قولہ۔ فی الیم نسفا۔ معناہ علی التحقیق، ان موسی علیہ السلام لماشرف بمقام المکالمۃ واوتی کشف الصفات، وبعث لانقاذ بنی اسرائیل، وارشادھم الی الحق، وعدشریعۃ یسوس بھاقومہ، فاستخلف ھارون علی قومہ، وتخلی للمراقبۃ قبل تثبتھم علی الایمان، وتقریرھم علی الحق بالایقان، فعوقب علی تلک العجلۃ، وان کانت من غایۃالشوق الی المشاھدۃ، واقتضاء المقام عدم التفرغ الی تکمیل الغیر لان فی تکمیلھم بالمعرفۃ الیقینیۃ، والکمال العلمی ثبات قدمہ فی الطاعۃ وامتثال الامر المستلزم الترقی فی الحال، فاعتذر بکونھم علی متابعۃ فی الدین وان لم تبن معاملتھم علی اساس الیقین۔

اور تفسیر مظہری (۶/۱۵۶،زکریا بکڈ پو دیوبند) میں ہے: فا ن قیل "فانا قد فتنا" مرتب علی قولہ "عجلت الیک "والتقدیر اذا عجلت الی فاناقد فتنا قومک وھذالکلام یقتضی کو ن

العجلة سببا للفتنة اذالفاء للسببية فما وجه هذه السببية قلت لعل وجه ذلک ان الانبياء عليهم السلام ارسلوا لهداية الخلق بوجهين ظا هرا بدعوتهم الى الا سلام وتعليمهم الاحكام وبا طنا بجذ بهم الى الله عما سواه وافاضة نور الايمان والمعرفة فى قلو بهم حتى ينشرح صدورهم للايمان وير ؤون الحق حقا والبا طل باطلا ولا يتم ذلک الا عند كمال توجههم الى الخلق بشراشرهم ولما كان عجلة موسیؑ الى الله تعالى مبنيا على غلبة المحبة والشوق وسكر ذلک انقطع عند ذلک توجه با طنه عن الامة فحينئذ وقع امة فى الفتنة والضلال ۔

اورروح المعانی(۵۹۵/۸،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ)میں ہے : ما اعجلک عن قومک يا موسى الاشا رة فيه انه ينبغى للرئيس رعاية الاصلح فى حق المرؤوس وللشيخ عدم فعل ما يخشى منه سوء ظن المريد لا سيما اذا لم يكن له رسوخ اصلا۔

اورروح المعانی(۵۵۲/۸،دارالکتب العلمیۃ)میں ہے۔قوله تعالى وماعجلک۔مانصه۔والمتبادر ان يكون للانكار وفى الانتصاف ان المرادمن سؤال موسى عليه السلام عن سبب العجلة۔ وهوسبحانه اعلم۔ ان يعلمه ادب السفر وهوانه ينبغى تاخر رئيس القوم عنهم ليكون بصره محيطا بهم ومهيمنا عليهم وهذاالمعنى لايحصل مع التقدم الاترى كيف علم اللّٰه تعالى هذا الادب لوطافقال سبحانه : واتبع ادبارهم(الحجر، ۲۵) فامره عز وجل ان يكون آخر هم على ان موسى عليه السلام انما اغفل هذا الامر مبادرة الى رضا اللّٰه تعالى ومسارعة الى الميعاد۔

اورتفسیرِمراغی(۱۳۸/۱۶) پرہے: والمراد (بهذالسوال) الانكار عليه (اى على مو سیٰؑ) لا ن ذلک يقتضى اغفال امرهم وعدم العناية بهم مع انه مامور با ستصحابهم واحضارهم معه وانكار للعجلة فى ذاتها ايضا ولا سيما من اولى العزم الذين يجدر بهم مزيد الجزم ۔

اورزہرۃالتفاسیر(ج۔۹)میں ہے:الفاء للسببية اى بسبب غيبتک وعدم قيامک بحق الرقابة النفسية عليهم التى مكناك منها۔

اورابن عاشوراپنی تفسیرالتحریروالتنویر(۲۷۷/۱۶۔۲۷۸،مطبوعہ دارسحنون للنشر والتوزیع،تونس)میں لکھتے ہیں:قوله تعالى، وماعجلک عن قومک ياموسى۔ مانصه۔والاستفهام مستعمل فى اللوم والذى يؤخذ من كلام المفسرين و تشير اليه الآية ان موسى تعجل مفارقة قومه ليحضر

الی المناجاة قبل الابان الذی عینه اللّٰه له اجتهادا منه ور غبة فی تلقی الشریعة حسبما وعده اللّٰہ قبل ان یحیط بنو اسرائیل بجبل الطور ولم یراع فی ذلک الا السبق الی مافیه خیر لنفسه ولقومه فلامه اللّٰه علی ان غفل عن مراعاة مایحف بذلک من ابتعاده عن قومه قبل ان یوصیهم اللّٰہ بالمحافظة علی العهد ویحذر هم مکر من یتوسم فیه مکرا.....وکان ذلک سبب افتتان قومه بصنع صنم یعبدونه....وقوله هنا ”هم اولاء علی اثری“ یدل علی انهم کانواسائرین خلفه وانه سبقهم الی المناجاة واعتذر عن تعجله بانه عجل الی استجابة امر اللّٰه مبالغة فی ارضائه، فقوله تعالی : فانا قد فتنا قومک من بعدك فیه ضرب من الملام علی التعجل بانه تسبب علیه حدوث فتنة فی قومه لیعلمه ان لایتجاوز ما وقت له ولوکان لرغبة فی ازدیاد من الخیر۔

اورتفسیر قاسمی المسمی بمحاسن التاویل (۱۸۴/۷،مطبوعہ دارالفکر) میں ہے: وقال الناصر: انما اراد الله تعالی بسؤاله عن سبب العجلة وهو عالم ان یعلم موسیؑ ادب السفر وهو انه ینبغی تأخر رئیس القوم عنهم فی المسیر لیکون نظره محیطا بطائفته ونافذا فیهم ومهیمنا علیهم وهذالمعنی لا یحصل فی تقدمه علیهم الاتری الله عز وجل کیف علم هذاالادب لوطا فقال واتبع ادبارهم (سورة الحجر/۶۵)فامره ان یکون اخیرهم علی ان موسیؑ انما اغفل هذاالامر مبادرة الی رضاء الله عز وجل ومسارعة الی المیعاد۔

اورسرخیل علماء دیوبندمولانا مفتی محمد شفیع صاحب اپنی تفسیر معارف القرآن (۱۳۴/۶) میں تحریر فرماتے ہیں ”آپؑ کے منصب رسالت کا تقاضہ یہ تھا کہ قوم کے ساتھ رہتے ،انکواپنی نظر میں رکھتے ،اورساتھ لاتے ،آپ کی عجلت کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ قوم کوسامری نے گمراہ کردیا۔

اوراستاد تفسیر دارالعلوم دیوبند مولانا جمال الدین بلندشہری اپنی تفسیر جمالین (۲۰۲/۴) میں تحریر فرماتے ہیں:مقصد استفہام نہیں ہے،گوصیغہ استفہام کا ہے بلکہ اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ آپ کے منصب رسالت کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ قوم کے ساتھ رہتے اور ان پر نظر رکھتے ۔آپ کی عجلت کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم کوسامری نے گمراہ کردیا۔

اورتفسیر روح المعانی میں یہ صراحت ہے کہ چھ لاکھ میں سے پانچ لاکھ اٹھاسی ہزار لوگ فتنہ کا شکار ہو گئے ۔صرف بارہ ہزار ثابت قدم رہ سکے۔

ان تمام تفسیروں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ”وماا عجلک “میں استفہام انکاری ہےاور”فاناقدفتنّا“میں فاءسببیہ ہےالبتہ بعض تفسیروں سے ایسامحسوس ہوتا ہے کہ استفہام تقریری ہےاور فاء فصیحہ ہےلیکن وہ اتنی کثیر تفسیروں کے مقابلہ میں مرجوح معلوم ہوتا ہے۔

ملاحظہ۔اس سلسلہ میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ ’’ومااعجلک عن قومک یا موسی ‘‘میں قوم سے مراد پوری قوم ہے یا ستر نقباء؟ اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ پوری قوم مراد ہے اور بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ستر نقباء مراد ہیں اس سلسلہ میں قول فیصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ ’’ومااعجلک عن قومک ‘‘میں پوری قوم مراد ہے البتہ جب سامری نے ان کے اکثر لوگوں کو گمراہ کردیا تو ستر نقباء کو اعتذار کی غرض سے حضرت موسی علیہ السلام لیکر گئے جن میں حضرت ھارونؑ بھی ساتھ تھے ۔چنانچہ درِمنثور (۵۶۹/۵)میں ہے:واخرج ابن ابی عمر العدنی فی مسنده وعبد بن حمید والنسائی وابویعلی وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویه عن سعید بن جبیر رصی اللّٰه عنه قال: سالت ابن عباس عن قول اللّٰه تعالی لموسی علیه السلام: (وفتناك فتونا)فی حدیث طویل جدا وفیه:فاستیقن بنو اسرائیل بالفتنة واغتبط الذین کان رأیهم رأی هارون فقالوا: یا موسی سل ربک ان یفتح لنا باب توبة نعملها ونکفر عنا ماعملنا (فاختار موسی من قومه سبعین رجلا) ۔اورابن کثیر کا میلان بھی یہی ہے۔چنانچہ انہوں نے یہی حدیث اپنی تفسیر میں نقل کی ہے۔ اورانہی کی دوسری کتاب البدایۃ والنھایۃ (۴۲۳/۱،مطبوعہ دارابی حیان)میں ہے: عن ابن عباس والسدی وغیرهما: ان هؤلاء السبعین کانو علماء بنی اسرائیل ومعهم موسی و هارون ویوشع و ناداب و ابیهوا ذهبوامع موسی علیه السلام لیعتذروامن بنی اسرائیل فی عبادة من عبدمنهم العجل۔ اورامام بغوی نے اپنی تفسیر (۲۳۷/۲)میں اورامام شوکانی نے فتح القدیر(۲۸۶/۲)میں اور بیضاوی اورصاحب جلالین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۲)آیت قرآنی: اذکرنی عند ربک فانساه الشیطان ذکر ربه فلبث فی السجن بضع سنین (سورۃ یوسف/۴۲)

مولانا نے اس کی تفسیر یہ فرمائی کہ مدت قید کے دراز ہونے کا سبب بادشاہ کے یہاں عرضی لگوانا بنا،کہ یوسفؑ کی شان نبوت اس سے بہت بلند ہے کہ غیر اللہ سے ذرا سی بھی امید رکھی جائے۔

مذکورہ آیت کی تفسیرِ ماثورعرض خدمت ہے۔ ففی الدر المنثور (۵۴۱/۴،مطبوعہ دارالفکر) اخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب العقوبات وابن جریر والطبرانی وابن مردویه عن ابن عباسؓ قال قال ﷺ لولم یقل یوسفؑ الکلمة التی قال مالبث فی السجن طول ما لبث حیث یبتغی الفرج من عند غیر الله تعالی۔

واخرج عبد الرزاق وابن جریر وابوالشیخ عن عکرمة قال قال ﷺلو لا انه یعنی یوسفؑ قال الکملة التی قال ما لبث فی السجن طول مالبث ۔

واخـرج ابـن الـمـنذر وابن ابى حاتم وابن مردويه عن ابى هريرةؓ قال قال ﷺ رحم الله يوسف لو لم يقل اذكر نى عند ربک ما لبث فى السجن طول ما لبث ـ

واخـرج احمد فى الزهد وابن جرير وابن المنذر وابن ابى حاتم وابو الشيخ عن الحسن قـال ذكـر لـنـا ان نبـى الـلـه ﷺقـال رحـم الـله يوسف لـو لا كـلمته ما لبث فى السجن طول مالبث قوله اذكرنى عند ربک ثم بکیٰ الحسن وقال نحن اذا نزل بنا امر فزعنا الى الناس۔

واخـرج ابـن جـريـر وابـو الـشيـخ عـن قتـادـةؒ قال ذكر لنا ان نبى الله ﷺ قال لو لا ان يـوسف استشـفع على ربه ما لبث فى السجن طو ل ما لبث ولكن انما عو قب با ستشفاعه على ربه ـ

واخـرج ابـن ابى شيبة وعبـد الله بن احمد فى زوائد الزهد وابن المنذر وابن ابى حاتم وابـو الشيـخ عـن انـسؓ قـال اوحى الـى يـوسفؑ مـن استـنـقذك من القتل حين هم اخوتک ان يـقتلـوك؟قال انت يا رب قال فمن استنقذك من الجب اذا القوك فيه؟ قال انت يا رب قال فـمـن استـنـقـذك مـن الـمـرأـة اذ هـممت بها؟ قال انت يا رب قال فما لـک نسيتنى وذكرت آدميـا؟ قـال جـزعـا وكلمة تكلم بها لسانى قال فوعزتى لاخلدنک فى السجن بضع سنين فلبث فى السجن بضع سنين ـ

واخـرج ابن جرير وابن ابى حا تم وابو الشيخ عن الحسن قال لما قال يوسفؑ للساقى اذكر نى عند ربک قيل له يا يوسف اتخذت من دونى وكيلا لأطيلـن حبسـک فبکى يوسفؑ وقال يا رب تشاغل قلبى من كثرة البلوى فقلت كلمة ـ

واخـرج ابـن ابى شيبة وابـن جـريـر وابـن الـمنذر وابن ابى حاتم عن مجا هد فى قوله تـعـالـى وقـال لـلـذى انـه نـاج مـنـهما اذكر نى عند ربک قال يوسف للذى نجا من صاحبى الـسـجـن اذكـر نـى لـلـملک فلم يذكره حتى   رأ ى الملک الرويا وذالک ان يوسف انساه الشيطان ذكر ربه وامره بذكر الملک وابتغاء الفرج من عنده فلبث فى السجن بضع سنين عقوبة لقوله اذكر نى عند ربک ـ

واخـرج ابـن مـردويـه من طريق ابى بكر بن عياش عن الكلبى قال قال يوسف كلمة واحدة حبس بها سبع سنين قال ابو بكر وحبس قبل ذلک خمس سنين ـ

واخرج عبد الله بن احمد فى زوائد الزهد عن عبد الله مؤذن الطائف قال جاء جبريلؑ الـى يـوسفؑ فـقال يا يوسف! اشتد علـيک الحبس؟ قال نعم قال قل اللهم اجعل لى من كل

ما اهمني وكربني من امر دنياى وامرآخرتي فرجا ومخرجا وارزقني من حيث لا احتسب واغفر لي ذنبي وثبت رجائي واقطعه من سواك حتى لا ارجو احدا غيرك۔

لیجیے جسکو تفسیر بالرای کہا جارہا ہے، تفسیر ماثور میں اسکے علاوہ کچھ مذکور ہی نہیں۔ کیونکہ مذکورہ بالا پورا کلام الدرالمنثور فی التفسیر المأثور سے ماخوذ ہے، جس میں صرف تفسیر ماثور ہی کو جمع کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوگیا کہ مذکورہ تفسیر آپ ﷺ سے شہرت کے درجہ تک پہونچ چکی ہے۔ بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس تفسیر پر سلف کا اجماع ہے۔ بلکہ امام مجاہدؒ نے تو جیسا کہ ان سے اوپر نقل کیا گیا، حد ہی کردی، کہ (انساه الشيطان) میں ضمیر کا مرجع یوسفؑ کو بنا کر مذکورہ تفسیر قرآن کی عبارۃ النص سے ثابت کردی۔ اور ابن جریر طبری نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ فقال في تفسيره (ج۷،ص۱۳۲، مطبوعہ دارالمعرفہ، لبنان) قوله فانساه الشيطان ذكر ربه هذا خبر من الله جل ثنائه عن غفلة عرضت ليوسف من قبل الشيطان نسي لها ذكر ربه الذى لو به استغاث لاسرع بما هو فيه خلاصه ولكنه زل بها فاطال من اجلها في السجن حبسه واوجع لها عقوبته۔

البتہ ابن جریر نے (۲۲۴/۱۲) پر محمد ابن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ انکی رائے یہ ہے کہ ''انساہ'' کی ضمیر کا مرجع ساقی ہے۔ لیکن اس رائے کو انھوں نے بطور مرجوح کے پیش کیا ہے۔ بلکہ تفسیر بغوی (۴۲۸/۲، دارالمعرفة لبنان) میں ہے: قال ابن عباسؓ (وعليه الاكثرون): انسى الشيطان يوسف ذكرربه حتى ابتغى الفرج من غيره۔

نیز شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اپنی تفسیر میں مدت قید دراز ہوجانے میں بطور حکمت وغیرہ یہ تحریر فرماتے ہیں: لیکن ہر ایک شر میں حق تعالی کوئی خیر کا پہلو رکھدیتا ہے، یہاں بھی گو اس نسیان کا نتیجہ تطویلِ قید کی صورت میں ظاہر ہوا۔ تاہم حضرت شاہ صاحبؒ کی نکتہ آفرینی کے موافق اس میں یہ تنبیہ ہوگئی کہ ایک پیغمبر کا دل ظاہری اسباب پر نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ بلکہ ابن جریر اور بغوی (ج ۴۲۸/۲، مطبوعہ دارالمعرفہ، لبنان) وغیرہ نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ وہ '' فانساه الشيطان ذكر ربه '' کی ضمیر یوسف کی طرف راجع کرتے ہیں۔ گویا '' اذكرني عند ربك '' کہنا ایک طرح کی غفلت تھی، جو یوسف کو عارض ہوئی۔ انھوں نے قیدی کو کہا کہ اپنے رب سے میرا ذکر کرنا، حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ سب ظاہری سہارے چھوڑ کر وہ خود اپنے رب سے فریاد کرتے۔ بیشک کشفِ شدائد کے وقت مخلوق سے ظاہری استعانت اور اسباب کی مباشرت مطلقا حرام نہیں ہے۔ لیکن ابرار کی حسنات مقربین کی سیأت بنجاتی ہیں۔ جو بات عامۃ الناس بے کھٹکے کرسکتے ہیں، انبیاءؑ کے منصب عالی کے اعتبار سے وہی بات ایک قسم کی تقصیر بن جاتی ہے۔ امتحان وابتلاء کے موقع پر انبیاء کی شان رفیع اسی کو مقتضی ہے کہ رخصت پر نظر نہ کریں۔ انتہائی عزیمت کی راہ چلیں۔ چونکہ حضرت یوسفؑ کا ''اذكرني عند ربك '' کہنا عزیمت کے خلاف تھا، اسلیے عتاب آمیز تنبیہ ہوئی، کہ کئی سال تک مزید قید اٹھانی پڑی۔ اور اسی لیئے انساء کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی۔ الخ

مزید تفصیل کیلیے دیکھیں۔ تفسیر بیضاوی (۴۸۵/۱، دارالکتب العلمیہ)۔ تفسیر ثعالبی (۲۳۹/۲، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی) تفسیر بغوی (۴۲۸/۲، مطبوعہ دارالمعرفہ، لبنان) تفسیر قرطبی (۳۵۴/۱۱، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ) تفسیر نسفی

(۲۲۱/۳،دارالمعرفہ) تفسیر خازن (۳۱/۳،مطبوعہ دارالمعرفہ) تفسیر مظہری (۱۶۵/۵،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۳) وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا با یدیکم الی التھلکۃ (سورۃ البقرۃ ۱۹۵)

مولانا نے فرمایا کہ یہاں ہر کار خیر میں خرچ کرنا مراد نہیں۔ بلکہ خاص احیائے دین متین کی کوشش کرنا اور اسمیں خرچ کرنا مراد ہے۔

اسکی تائید درج ذیل تفسیروں سے ہوتی ہے۔

اخرج ابن جرير الطبرى (٢٠٤/٢)من طريق اسلم ابى عمران قال كنا با لقسطنطينية وعلى اهل مصر عقبة بن عامر وعلى اهل الشام فضالة بن عبيد فخرج من المدينة صف عظيم من الروم قال وصففنا صفا عظيما من المسلمين فحمل رجل من المسلمين على صف الروم حتى دخل فيهم ثم خرج الينا مقبلا فصاح الناس وقالوا سبحان الله القى بيده الى التهلكة فقام ابو ايوب الانصارىؓ صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا ايها الناس! انكم تتأولون هذه الآية على هذا التاويل انما انزلت هذه الآ ية فينا معاشر الانصار انا لما اعز الله دينه وكثر ناصريه قلنا فيما بيننا بعضنا لبعض سرا من رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اموا لنا قد ضاعت فلو انا اقمنا فيها فاصلحنا ماضاع منها فا نزل الله فى كتا به يرد علينا ما هممنا به فقال وانفقوا فى سبيل الله ولا تلقوا با يديكم الى التهلكة با لاقامة التى اردنا ان نقيم فى الاموال ونصلحها فا مرنا با لغزو فما زال ابو ايوب غا زيا فى سبيل الله حتى قبضه الله ـ

وهذا الحديث رواه ايضا سوى ابن جرير : عبد بن حميد وابو داؤود والترمذى وصححه والنسائى وابو يعلى وابن المنذر وابن ابى حا تم وابن حبان والحاكم وصححه والطبرانى وابن مردويه والبيهقى فى سننه كما فى الدر المنثور (٥٠٠/١)

واخرج ابن جرير (٢٠٠/٢) عن حذيفةؓ قال هو ترك النفقة فى سبيل الله ـ

واخرج(٢٠١/٢) عن ابن عباسؓ فى قوله تعالى ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة قال لا يقولن احدكم انى لا اجد شيئا ان لم يجد الا مشقصا فليتجهز به فى سبيل الله ـ

وعن عكرمة قال نزلت فى النفقات فى سبيل الله ـ

وعن الحسن : انهم كا نوا يسافرون ويغزون ولا ينفقون من اموالهم فا مرهم الله

ان ینفقوا فی مغازیهم۔ فی سبیل الله ۔

واخرج (۲۰۲/۲) عن الضحاك قال: التهلكة ان یمسک الرجل نفسه وما له عن النفقة فی الجها د فی سبیل الله

مزید تفصیل کیلئے دیکھیں۔ تفسیر بغوی (۱۶۴/۲، دارالمعرفہ، لبنان) تفسیر رازی (۱۲۳/۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ) تفسیر بیضاوی (۱۰۹/۱، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ) قرطبی (۲۵۸/۳) تفسیر ابی السعود (۱۳۷/۱) درمنثور (۴۹۹/۲، مطبوعہ دارالفکر) تفسیر ثعالبی (۴۰۳/۱، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی) تفسیر مظہری (۲۱۵/۱، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) تفسیر قاسمی (۱۳۹/۲)

اس سب سے معلوم ہوگیا کہ آیت کا اصل اور سب سے پہلا محمل تو یہی ہے۔ باقی اسمیں دیگر نفقات واجبہ بھی داخل ہو جائیں تو کچھ مستبعد نہیں ہے۔ جیسا کہ دیگر بعض مفسرین کی رائے ہے۔ معارف القرآن میں ہے، اس آیت سے فقہاء نے یہ حکم بھی نکالا ہے کہ مسلمانوں پر زکاۃ فرض کے علاوہ بھی دوسرے حقوق فرض ہیں۔

(۴) آیت قرآنی فاذا قضیت الصلوة فا نتشروا فی الارض وابتغوا من فضل الله (سورة الجمعة ۱۰)

مولانا نے فضل اللہ کی تفسیر گشت وملاقات اور حلقاتِ علم وایمان سے فرمائی۔

عجیب بات یہ ہے کہ حدیث مرفوع میں یہ تفسیر منقول ہے۔ فقد اخرج ابن جریر (۶۷/۱۲، مطبوعہ دارالمعرفہ) من حدیث انسؓ قال قالﷺ فی قوله تعالی فاذا قضیت الصلوة فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللّٰه قال لیس لطلب دنیا ولکن عیادة مریض وحضور جنازة وزیا رة اخ فی اللّٰه۔ تو ''زیا رة اخ فی اللّٰه'' کا ترجمہ گشت وملاقات سے کرنے سے زیادہ صحیح ترجمہ کیا ہوگا؟ اور آپﷺ کی تفسیر سے اچھی تفسیر کیا ہوگی؟ اور بعینہ یہی تفسیر ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے۔ ففی الدرالمنثور (۱۶۴/۸، مطبوعہ دارالفکر) واخرج ابن مردویه عن ابن عباسؓ فی قوله تعالی ''فاذا قضیت الصلوة فا نتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللّٰه قال'' لم یؤ مروا بشئی من طلب الدنیا انما هو عیادة مریض وحضور جنازة وزیارة اخ فی اللّٰه ۔

لیجیے امام المرسلین کے بعد امام المفسرین سے بھی یہی تفسیر منقول ہوگئی۔ اب اسمیں تفسیر بالرائے کی گنجائش کہاں بچی؟ نیز روح المعانیؒ (۱۰۳/۱۴، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ) میں حلقات علم وایمان سے بھی اسکی تفسیر کی گئی ہے۔ نیز تفسیر بغوی (۳۴۵/۴) پر ہے ''وقال الحسن وسعید ابن جبیر ومکحول (وابتغوا من فضل اللّٰه) هو طلب العلم'' نیز درمنثور ہی میں طبرانی کے حوالہ سے اسی آیت کی تفسیر میں یہ روایت بھی نقل کی گئی ہے: عن ابی امامة ان النبیﷺ قال من صلی الجمعة فصام یو مه وعاد مریضا وشهد نکاحا وجبت له الجنة اس سے بھی معلوم ہوا کہ

فضل اللہ سے اعمال صالحہ مراد ہیں، نہ کہ دنیاوی فضل۔ مزید برآں یہ کہ آیت کا اخیر واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون بھی اسکا واضح قرینہ ہے۔ نیز اس آخری جملہ سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ زیارۃ اخ فی اللہ سے رواجی ملاقات مرادنہیں۔ بلکہ وہ ملاقات مراد ہے جو کہ یاد الٰہی میں ممد و معاون ہو۔ اور اہل تبلیغ کا گشت و ملاقات کرنا خالصا لوجہ اللہ اور لوگوں کے دلوں میں اللہ کی یاد پیدا کرنے اور انکو اعمال صالحہ کا شوق دلانے کیلیے ہی ہوتا ہے۔

نیز قرآن وسنت میں اور بھی بہت سی جگہ فضل اللہ سے اعمال صالحہ اور توفیق خیر مراد لیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ان میں سے چند کو پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) ولو لا فضل اللّٰہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطان الا قلیلا۔

(۲) ولو فضل اللّٰہ علیک ورحمتہ لھمت طا ئفۃ منھم ان یضلوك ۔

(۳) وعلمک ما لم تکن تعلم وکا ن فضل اللّٰہ علیک عظیما۔

اس ساری تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اتنا ہی نہیں کہ اس تفسیر کی بھی گنجائش ہے، بلکہ یہی تفسیر قوی معلوم ہوتی ہے۔

مزید کیلیے دیکھیے تفسیر بیضاوی (۴۹۳/۲،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ) تفسیر ثعالبی (۴۳۱/۵،مطبوعہ داراحیاء التراث العربی) تفسیر خازن (۴۶۸/۴،مطبوعہ دارالمعرفہ) تفسیر مظہری (۲۹۷/۹،مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) فتح القدیر (۲۲۸/۵،مطبوعہ دارالوفاء المنصورہ) تفسیر نسفی (۲۶۸/۴،مطبوعہ دارالمعرفہ) روح البیان (۵۲۵/۹) زاد المسیر (۲۸۴/۴) اللباب فی علوم الکتاب (۹۲/۱۹) روح المعانی (۱۰۳/۱۴،مطبوعہ دالکتب العلمیہ) تفسیر ابی السعود (۷۶/۸)

(۵) آیت قرآنی: ولذکر اللہ اکبر (سورۃ العنکبوت/۴۵)

اس کی تفسیر میں مولانا سعد صاحب نے فرمایا کہ اللہ کا بندہ کو یاد کرنا مراد ہے۔

اب ذیل میں ہم ان مفسرین کی عبارات مع حوالوں کے پیش کرتے ہیں، جن سے مذکورہ تفسیر منقول ہے۔

اخرج ابن جریر فی تفسیرہ بسندہ (۱۵۶/۲۰) عن عبد اللہ بن ربیعۃ قال قال لی ابن عباسؓ ھل تدری ما قولہ ولذکر اللہ اکبر ؟قال قلت نعم قال فما ھو ؟ قال قلت التسبیح والتحمید والتکبیر فی الصلوۃ وقراءۃ القرآن ونحو ذلک قال لقد قلت قولا عجیبا وما ھو کذلک ولکنہ انما یقول ذکر اللہ ایاکم عند ما امر بہ اونھی عنہ اذاذکرتموہ اکبر من ذکرکم ایاہ ۔

وفی روایۃ اخری : لقد قلت قولا عجیبا وما ھو کما قلت ولکن ذکر اللہ ایاکم اکبر من ذکرکم ایاہ ۔

وفی روایۃ :ذکر اللہ للعبد افضل من ذکرہ ایاہ۔

وفی اخری :ولذکر اللہ لعبادہ اذا ذکروہ اکبر من ذکرکم ایاہ ۔

وفی روایۃعنه قال : هو کقوله اذکرونی اذکرکم فذکر الله ایا کم اکبر من ذکرکم ایاه۔

یہ تمام روایات اور اسکے علاوہ بھی دوسری روایات سب ابن عباسؓ سے منقول ہیں۔جن کو ان سے انکے متعدد تلامذہ نقل کرتے ہیں۔

واخرج ابن جریر ایضا (۱۵۷/۲۰) بسنده عن ابن مسعود : (ولذکر الله اکبر) قال ذکر الله العبد اکبر من ذکر العبد لربه ۔

واخرج ایضا بسنده عن سلمان الفارسیؓ (ولذکر الله اکبر)قال ذکر الله ایاکم اکبر من ذکرکم ایاه۔

وهکذا رواه ابن جریر عن ابی الدرداءؓ وعن عکرمة وعطیة ومجا هد وابی قرة وشعبة۔

وهکذا رواه عن ابن عباسؓ : ابن المنذر وابن ابی حا تم والفریابی وسعید ابن منصور والحاکم وصححه والبیهقی فی شعب الایمان ۔

وروایة ابن مسعود اخرجها سوی ابن جریر : ابن ابی شیبة وعبد الله بن احمد بن حنبل فی زوائد الزهد ۔

وتفسیر عطیة رواه ابن ابی الدنیا والبیهقی ایضا ۔

وتفسیر مجاهد رواه عبد بن حمید وابن المنذر وابن ابی حا تم ایضا ۔

وروی هذا التفسیر ابن السنی وابن مردویه والدیلمی عن ابن عمرؓ ایضا ۔

ورواه عبد بن حِمید عن الحسن ایضا ۔کما فی الدر المنثور (۴۶۶/۶، ۴۶۷)

وروی تفسیر ابن عباس عبد الرزاق ایضا فی تفسیره (۹/۳)

وانظر للمزید تفسیر مجاهد (۴۹۵/۱، *مطبوعہ وزارت اوقاف،قطر*) تفسیر سمرقندی (۶۳۵/۲، *مطبوعہ دارالفکر، لبنان*) تفسیر ثعالبی (۲۹۶/۴، *مطبوعہ داراحیاء التراث العربی*) تفسیر نسفی (۴۲۳/۳، *مطبوعہ دارالمعرفہ*)تفسیر خازن (۴۲۳/۳، *مطبوعہ دارالمعرفہ*) تفسیر ابن کثیر (۱۷۷۹/۱ ،وزارت الاوقاف،قطر) تفسیر مظهری (۲۰۷/۷ *مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ*)*تفسیر قرطبی(۲۳۱/۱۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ)تفسیر بیضاوی (۲۱۱/۲،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ)فتح القدیر(۲۷۸/۴،مطبوعہ دارالوفاء المنصورہ)در منثور (۲۶۶/۶،مطبوعہ دارالفکر)*

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو تفسیر صحابہ میں سے ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، ابو درداؓ، اور سلمان فارسیؓ، اور ابن عمرؓ سے، اور تابعین میں سے عکرمہ، مجاہد، حسن بصری، ابوقرۃ، اور عطیہ سے، اور انکے بعد والوں سے بھی منقول ہو، اور جو تفسیر کی بیسیوں کتابوں میں موجود ہو، اور پچاسوں راویوں نے اسکو نقل کیا ہو، وہ بھی اگر تفسیر بالرائے ہے، تو تفسیر ماثور کسے کہیں گے؟ بلکہ اس تفسیر کے قائلین

کی کثرت اور دیگر تفسیروں کے قائلین کی قلت کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جمہور سلف کی یہی تفسیر ہے۔ اسی وجہ سے بہت سے مفسرین نے اسی تفسیر کے راجح ہونے کی صراحت یا اشارہ کیا ہے۔ امام ابن جریر کی صراحت کا ملاحظہ فرمائیں۔ واشبــه هـذه الاقـوال بمادل عليه ظا هر التنزيل قول من قال ولذكره اياكم افضل من ذكركم اياه۔

نیز یہ تفسیر بقول حضرت ابن عباسؓ کے تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔ جوارجح التفاسیر ہوتی ہے۔

نوٹ: چونکہ تفسیر بالرائے اور انبیاء کی شان میں بے ادبی کے الزام کسی بھی مسلمان کے حق میں بہت شدید ہیں، اسی وجہ سے انکے جواب میں قدرے تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔

بحمد للہ تفاسیر اہل العلم کے مقارنہ سے یہ بات صاف اور واضح ہوگئی کہ حضرت مولانا ان دونوں اتہاموں سے بری ہیں كبرأة الذئب من دم يوسف۔

نیز اس سب سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ مولانا کی تفسیریں تو نقل کی بنیاد پر ہیں، اپنے اجتہاد کی بنیاد پر نہیں۔ جو کہ تفسیر کا چھٹا ماخذ ہے۔ چہ جائیکہ وہ تفسیر بالرائے ہوتیں۔

اعتراض (۳) کیمرے والے موبائل سے متعلق مولانا کے نظریات۔

جواب۔ مولانا نے کیمرے والے موبائل سے متعلق جو بہت سخت تبصرے کیے ہیں، جن میں بعض تبصرے فتوے کی شکل اختیار کر گئے ہیں، مولانا نے ان سے رجوع کر لیا ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں جو آڈیو، یا اقتباسات، جس تسلسل کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں، وہ قطع وبرید سے خالی نہیں ہیں۔ مثلا علمائے سوء والی بات کی اصل عبارت یہ ہے ''علمائے سوء ہیں، علمائے سوء ہیں وہ لوگ، جنھوں نے مشتبہ چیزوں میں تساہل برتا ہے'' (بلفظہ) واضح رہے کہ مولانا کا نظریہ کیمرے والے موبائل سے متعلق وہی ہے جو تمام علمائے حقہ کا ہے، کہ اسکا بے جا استعمال انتہائی مضر ہے۔ خصوصا ان عوام کیلیے جو اسکے نقصانات سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے۔ طلبہ کیلیے دارالعلوم، مظاہر علوم، اور ندوۃ العماء وغیرہ میں سخت پابندی اسکی بین دلیل ہے۔ اور عوام الناس موبائل پر موجود رطب ویابس مضامین پر قناعت کی وجہ سے صحبت علماء سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ اور صحیح بات تک پہونچنے کا راستہ بند ہوتا جا رہا ہے۔

اعتراض (۴) ہر مسلمان پر قرآن سمجھ کر پڑھنا واجب ہے۔

جواب۔ وجوب کے اس قول سے مولانا نے رجوع کر لیا ہے۔ البتہ مولانا کی شدت (لفظ وجوب سے رجوع کے ساتھ) دراصل ان تبلیغی احباب پر نکیر ہے، جو غلط فہمی سے اپنی اپنی مساجد میں تفسیر کی مخالفت کر بیٹھے۔ اور حلقات تفسیر یہ کو اس کام کے منافی خیال کیا۔

اعتراض (۵) جدید آلالت اور رواجی چیزوں کے ذریعہ تبلیغ سے روکا جاتا ہے۔

جواب۔ یہ مولانا سعد صاحب کی اپنی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس کام کا قدیمی اصول ہے۔ تذکرہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ (ص ۱۰۵) پر مولانا منظور نعمانیؒ نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: اس کام کی تعمیم کیلیے رواجی طریقوں، اخبار، اشتہار، پریس وغیرہ، اور رواجی الفاظ سے بھی پورے پرہیز کی ضرورت ہے۔ یہ کام سارا غیر رواجی ہے۔ رواجی طریقوں سے رواج کو

تقویت پہونچے گی۔اس کام کونہیں۔اھ

اعتراض (٦) بعض بیانات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے نزدیک تبلیغ کا یہ کام اصلاح نفس کیلیے کافی ہے۔

جواب۔ اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ مولانا کے اس نظریہ کی تائید مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے اس وعظ سے ہوتی ہے۔جس کو حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے جماعت تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات میں (ص۱۱۴تا۱۱۶) پر تحریر فرمایا ہے۔ اسکے بعض اقتباسات عرض ہیں۔

'' بہرحال اصلاح نفس کے چار جز،اور چار طریقے ہیں۔اور تبلیغ کے اندر حسن اتفاق سے چاروں طریقے جمع ہو گئے ہیں۔ صحبت صالح بھی ہے، ذکر وفکر بھی ہے،مواخاۃ فی اللہ بھی ہے،اور محاسبۂ نفس بھی ہے۔اور انہی چاروں مجموعوں کا نام تبلیغی جماعت ہے۔عام لوگوں کیلیے اصلاح نفس کا اس سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں ہوسکتا۔اس طریقۂ کار سے دین عام ہوتا جارہا ہے''(مزید تفصیل حوالۂ مذکور میں دیکھی جاسکتی ہے)

نیز حضرت مولانا مدظلہ کا منشا اس طرح کے بیانات سے یہ ہے کہ تبلیغی چلت پھرت میں علم وذکر کا خوب اہتمام کیا جائے۔ ہمارا خروج علم وذکر سے خالی نہیں ہونا چاہیے،ورنہ تو یہ کام ایک رسم بن کر رہ جائیگا۔حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو بھی اسکا بہت قلق تھا کہ کام کرنے والوں میں علم وذکر کی بہت کمی ہے۔

اسی سلسلہ میں مولانا سعد صاحب نے بعض اوقات مرکز میں کام کے شدید تقاضہ کی وجہ سے بعض احباب کو اسی طرف متوجہ کیا،کہ اسوقت مرکز میں رہ کر دعوت وعبادت دونوں کو جمع کرنا زیادہ مفید اور افضل ہے۔

اعتراض (٧) نقل وحرکت توبہ کی تکمیل کیلیے ہے۔یہ شرط لوگ بھول گئے۔

جواب۔ اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ مولانا کے مجموعۂ کلام سے جو بات سمجھ میں آتی ہے،وہ یہ ہے کہ نقل وحرکت تکمیل توبہ کیلیے شرط ہے۔تحقق توبہ کیلیے نہیں۔تاہم لفظ'' شرط'' اور'' بھول گئے'' کی تعبیر سے جو اشکال پیدا ہوتا ہے،اسکے سبب مولانا مدظلہ نے اس تعبیر سے رجوع کرلیا ہے۔بلکہ دوسال پہلے بھوپال کے اجتماع میں یہ تعبیر اختیار کی کہ یہ چوتھی بات تو ایک عالم ہی بتا سکتا ہے،عابد نہیں بتا سکتا۔رہی یہ بات کہ اس چوتھی بات کی اہمیت اور اسکا مرجع کیا ہے؟ تو اسی (یعنی سوقتل سے توبہ کرنے والے سے متعلق) حدیث کی شرح میں قاضی عیاض (اکمال المعلم ج۸،ص۲۶۹،دارالوفاء المنصورہ) پر تحریر فرماتے ہیں'' فيه الحض على مفارقة الانسان المواضع التى اصاب فيها الذنوب، والاقران الذين ساعدوه عليها ومعاداتهم لله تعالى مبالغة فى التوبة وقطع علائقها والاستبدال بذلك صحبة اهل الخير والصلاح ومن يقتدى به ويتأكد بمشاهدته توبته''

اورامام نویؒ شرح مسلم میں تحریرفرماتے ہیں(۳۵۹/۲)قال العلماء :فی هذا استحباب مفارقة التائب المواضع التی اصاب بها الذنوب، والاخدان المساعدین له علی ذلک ومقا طعتهم ما داموا علی حا لهم وان یستبدل بهم صحبة اهل الخیر والصلاح والعلماء والمتعبدین الورعین ومن یقتدی بهم وینتفع بصحبتهم وتتأ کد بذلک تو بته ۔

علماء کی ان عبارات سے توبہ کیلیے خروج کی اہمیت پورے طور پر واضح ہوگئی۔ البتہ یہ خیال کہ توبہ کیلیے صرف تین شرط ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے، درست نہیں۔ فتح الباری اور قسطلانی وغیرہ میں عبداللہ ابن مبارکؒ وغیرہ سے توبہ کی اور شرطیں بھی نقل کی گئی ہیں۔

اعتراض(۸) زنا کارلوگ تعلیم قرآن پر اجرت لینے والوں سے پہلے جنت میں جائیں گے۔

جواب۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ یہ مولانا سعد صاحب کا قول نہیں ہے، بلکہ یہ حضرت عمرؓ کا اثر ہے۔ جو حیاۃ الصحابہ(۳۳۳/۳) میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے:یا اهل العلم والقرآن ! لا تأخذوا للعلم والقرآن ثمنا فتسبقکم الزناة الی الجنة ۔

البتہ مولانا کا معمول یہ ہے کہ اسے نقل کرنے کے بعد یہ فرماتے ہیں کہ: تنخواہ وغیرہ تعلیم کا بدل اور اجرت نہیں ہے، بلکہ حبسِ وقت وغیرہ کا بدل ہے۔ معترض نے اس اثر عمرؓ کو مولانا کی طرف منسوب کرکے اور مولانا کی مذکورہ بالا پوری بات کو حذف کرکے خود مولانا پر اعتراض بنا دیا۔

ملاحظہ: یہ اثر حیاۃ الصحابہ اور اس کا ماخذ کنز العمال میں زناۃ (جمع زان) کے لفظ سے مذکور ہے۔ البتہ کنز کا ماخذ خطیب کی الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع کے موجودہ نسخے میں دناۃ (جمع دنی) ہے۔ اور یہ نسخے کا اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن شاید راجح زناۃ ہی ہے جیسا کہ مستغفری کی فضائل القرآن میں (رقم ۲۰ پر) یہ اثر لفظ زناۃ (جمع زان) کے ساتھ آیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اعتراض(۹)ہدایت ملنے کی جگہ مسجد کے سوا کوئی نہیں۔

جواب۔ اس عبارت میں تسامح ہے۔ صحیح بات اسطرح ہے کہ ہدایت ملنے کی اصل جگہ مسجد ہے۔ جیسا کہ آیت قرآنی انمایعمرمساجداللّٰه من آمن باللّٰه والیو م الآخرواقام الصلاةواتی الزکاةولم یخش الااللّٰه فعسی اولئک ان یکونوا من المهتدین۔ اورآیت قرانی نورعلی نوریهدی اللّٰه لنوره من یشاء ویضرب اللّٰه الامثال للناس واللّٰه بکل شئ علیم فی بیوت اذن اللّٰه ان ترفع ویذکر فیه اسمه یسبح له فیها بالغدووالاصال رجال لاتلهیهم تجارة ولابیع عن ذکراللّٰه الایة۔ میں اسکی طرف واضح اشارہ ہے۔ نیز آیت قرآنی (ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکا وهدی للعلمین) میں بیت اللہ کو جو کہ تمام مساجد کی اصل ہے پورے عالم کیلیے ہدایت کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

اعتراض(۱۰)غیرنبی کےخرقِ عادت امور پر معجزہ کا اطلاق۔

جواب۔ اس مسئلہ میں ہم نے مولانا مدظلہ سے گفتگو کی، توانھوں نے فرمایا، میری مراد اس سے یہ تھی کہ حق تعالی کی غیبی مددیں ظاہر کے خلاف انبیاؑ کیلئے ظاہر ہوئی تھیں، وہ انبیاء کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ انبیاءؑ کی دعوت پر قیامت تک حق تعالے کی ظاہر کے خلاف مددیں ظاہر ہوتی رہیں گی۔اور مزید انھوں نے فرمایا کہ معجزے کی اصطلاح متقدمین کے یہاں علی الاطلاق خرق عادت کے طور پر ہے۔اور تخصیص یہ متاخرین کی اصطلاح ہے۔چنانچہ مولانا کے اس کہنے کے بعد تلاش کیا گیا تو ابن ابی العزالحنفی کی شرح العقیدۃ الطحاویۃ میں (۴۹۴/۱) پر یہ عبارت ملی '' فالمعجزة فى اللغة تعم كل خارق للعادة وكذلك الكرامة فى عرف ائمة اهل العلم المتقدمين ولكن كثير من المتأخرين يفرقون فى اللفظ بينهما فيجعلون المعجزة للنبى والكرامة للولى '' تاہم اسکے باوجود مولانا سے درخواست کی گئی کہ متاخرین علماء کی تخصیص کی رعایت کر لی جائے، تو اسمیں غلط فہمیوں سے حفاظت ہے۔تو مولانا نے قبول فرمالیا۔

اعتراض(۱۱)ایک اعتراض مولانا پر یہ کیا جاتا ہے، کہ وہ کبھی کہتے ہیں خارجی لقمہ لیا جائے گا، اور کبھی کہتے ہیں کہ نہیں لیا جائے گا۔

جواب۔ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ خارجی لقمہ لیا جائے گا، یعنی مسائل شرعیہ میں، اور نہیں لیا جائے گا، یعنی کام کے اصول اور نہج اور داخلی انتظامی امور میں۔قاری محمد طیب صاحبؒ کے اس بیان سے اس امر پر مزید روشنی پڑتی ہے، جس کو حضرت شیخؒ نے رسالہ ''جماعت تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات'' کے (ص/۹۱) پر نقل کیا ہے، فرمایا کہ: اعتراضات تو وہ قابل قبول ہیں، جو کام میں گھس کر کیے جائیں، اور جو باہر بیٹھ کر اعتراضات کرے، وہ قابل قبول نہیں ہوا کرتے۔اگر اندر گھس کر کوئی اعتراض کرے، تب تو ٹھیک ہے، لیکن اندر گھسنے والا کوئی اعتراض کرتا نہیں، کیونکہ داخل ہونے کے بعد اسے کام کا فائدہ معلوم ہو جاتا ہے۔اھ

اعتراض(۱۲) سنت کی تقسیم میں نئی اصطلاح۔

جواب۔ حضرت مولانا مدظلہ نے اتباع سنت کی دعوت دیتے ہوئے یہ فرمایا: ''ہمیں ہر چیز میں سنت کا اتباع کرنا چاہیے: دعوت میں، عبادت میں اور عادات میں۔لہذا ہمیں اہتمام کرنا چاہیے سنتِ دعوت، سنتِ عبادت اور سنتِ عادت کا۔''

معترض کہتا ہے کہ ہم نے فقہا کے یہاں ۲/قسمیں پڑھی ہیں: سنتِ عبادت، سنتِ عادت۔ یہ تیسری قسم: سنتِ دعوت کہاں سے آئی؟

محترم! فقہا جسے ''سنن ہدیٰ'' کہتے آئے ہیں دراصل یہ اسی کا ترجمہ، تشریح یا تعبیر بصورتِ تقسیم ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ''تواتر'' کی اقسام اربعہ، جب سب سے پہلے علامہ انور شاہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیں۔تو علما نے ان کی تقسیم پر انہیں خراج تحسین پیش کیا نہ کہ اعتراض اور بے جا انتقاد۔علامہ شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ۔(فتح الملہم: ۶/۱) میں رقم طراز ہیں: واول من ربع القسمة، وسمى كل قسم باسمه۔فيما نعلم۔ الشيخ العلامة الانور۔ اطال اللّٰه

بقاء ہ۔وھو تقسیم حسن۔ واللّٰہ اعلم ۔یعنی سب سے پہلے تواتر کی اقسام اربعہ بیان کرنے والے۔ جہاں تک میرا علم ومطالعہ ہے حضرت العلامہ انور شاہ کشمیری ہیں۔اللہ ان کے سایہ کو تادیر قائم رکھے۔حضرت کی یہ تقسیم ایک بہتر تقسیم ہے۔الخ

نیز عرض یہ ہے کہ اگر معترض کا خیال یہ ہے کہ دعوت،سنت سے خاج ہے تو یہ خیال بالکل غلط ہے۔فقد قال اللہ تعالی: قل ھذہ سبیلی ادعوالی اللّٰہ علی بصیرۃ أناومن اتبعنی۔ قال ابن کثیر: ای ان ھذہ طریقتہ ومسلکہ وسنتہ۔

اوراگر معترض کا اعتراض صرف اتنا ہے کہ سنن ھدی کو تقسیم کرنے کی ضرورت کیا پیش آئی تو اس کا جواب واضح ہے کہ اس کی اہمیت کی وجہ سے اس کو مستقل ایک قسم قرار دیا گیا جیسا کہ مذکورہ آیت سے واضح ہے۔

اعتراض (۱۳) عصری تعلیم اور سائنس تمہیں گمراہ کردے گی۔

جواب۔ تعجب ہے! علما(اگر چہ وہ بعض یا ایک ہی صحیح) عصری تعلیم کے ہدایت ہونے کی شہادت دیں گے،تو پھر مغرب (انگریزوں) کا کام کیا رہ جائے گا!!!؟

ڈسے ہوئے سے زہر کا مزہ پوچھو :

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ لکھتے ہیں'' مغربی فلسفیوں اور مادہ پرست فرنگیوں نے اپنی تاریخی، بلکہ طبی کتابوں تک سے اسلام کو داغ دار کررکھا ہے''(معاصرین:۲۷)۔مولانا کی دوسری کتاب (سیاحت ماجدی/۱۰۵) میں ہے''لائبریری میں ایک کتاب نظر پڑی،موضوع مذہب نہیں،تاریخ وادب تھا،دنیا کے مشاہیر کے ادب پارے اس میں جمع تھے،قرآن کے اقتباسات بھی، اسی کتاب میں پورے صفحہ پر تصویر نعوذ باللہ عرب مصنف قرآن کی یعنی ہمارے حضور اکرم ﷺ کی درج تھی۔اور یہ نہ پوچھیے کہ کس درجہ زہر میں بجھی ہوئی تھی،صاف ایک جلاد قسم کے ڈاکو کی معلوم ہوتی تھی۔نیچے تصویر کا تاریخی حوالہ بھی درج تھا''

''دوسری کتاب جسکا موضوع بھی مذہب نہیں، بلکہ طب تھا،بدبخت نے یہ کمال کیا تھا کہ مرض صرع(epilepsy) کا بیان کرتے کرتے ایک دم سے بیان اسمیں یہ لے آیا کہ انبیاء کی بعض مشہور ترین اور عظیم ترین ہستیاں بھی اس قسم کے مرض میں مبتلاء رہی ہیں۔چناچنہ نزول وحی کے وقت کے آثار وعلامات کا شمار آثار مرض میں کرڈالا ''

ڈسے ہوئے کی چیخ۔

حضرت مولانا رقم طراز ہیں''اب فرمایئے کہ ایک سادہ مسلم نوجوان کے دل ودماغ پر پیہم حملے جب اسی قسم کے ہونگے،تو وہ بے چارہ اپنے ایمان کو کب تک سلامت رکھ سکتا ہے؟ نتیجہ قدرتا وہی نکلا جو نکلنا تھا،قلب میں الحاد،اور ارتیاب پیوست ہوگیا۔اور دماغ اپنے آپکو مسلم کہلانے کے بجائے نیشنلسٹ،ایگناسٹک کہلانے میں فخر محسوس کرنے لگا ''

یہ گفتگواعتراض کی حقیقت کے طور پر تحریر کردی گئی ہے، ورنہ حضرت مولانا مدظلہ کا موضوع عصری تعلیم کے گمراہ کن ہونے کو بیان کرنا نہیں ہے۔ بلکہ عصری تعلیم پر اکتفا کرنا، اور اپنے کو پڑھا لکھا سمجھ کر علوم نبوت سے بے بہرہ رہنا، اور علما کی صحبت اختیار نہ کرنے کو غلط اور گمراہی قرار دینا ہے۔

اعتراض (۱۴) دعوت الی اللہ کی ترتیب کیلیے عشاء کی نماز کو دیر تک مؤخر کردیا، گویا دعوت اصل مقصود ہے، اور دعوت کی اہمیت نماز سے زیادہ ہے!۔

جواب۔ اس سلسلہ میں اطلاعا عرض ہے کہ عشا کی نماز کو ثلث لیل تک مؤخر کرنا ہی حنفیہ کے یہاں مستحب ہے۔ یہی مرکز کا عام طور سے معمول ہے۔ اوراس سے زیادہ کی تاخیر شاید کبھی نہیں ہوئی، مگر معمولی۔ حالانکہ تاخیر الی نصف اللیل بلا کراہت جائز ہے۔ ویسے اس سلسلہ میں حیاۃ الصحابۃ (۱۸۱/۳) کا ایک باب بھی پیش ہے: اشتغال الامام بحوائج المسلمین بعدالاقامۃ، اخرج عبدالرزاق عن اسامۃ بن عمیرؓ قال کانت الصلوۃ تقام فیکلم الرجل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی حاجۃ تکون لہ فیقوم بینہ وبین القبلۃ فما یزال قائما یکلم فربما رائیت بعض القوم ینعس من طول قیام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کذافی الکنز۔ واخرج عبدالرزاق ایضا و ابوالشیخ فی الاذان عن انسؓ مثلہ کمافی الکنز و عندابن عساکر عن انس ان الصلوۃ کانت تقام بعشاء الآخرۃ فیقوم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مع الرجل یکلمہ حتی یرقد طوائف من الصحابۃ ثم ینتبہون الی الصلوۃ۔ کذافی الکنز۔

واضح رہے کہ یہ استدلال حضرت مولانا یوسفؒ کا ہی نہیں ہے بلکہ اس حدیث سے اسی طرح کا استدلال امام بخاری کر چکے ہیں۔ دیکھئے کتاب الاذان میں باب الامام تعرض لہ الحاجۃ بعد الاقامۃ اور باب الکلام اذا اقیمت الصلوۃ اور کتاب الاستیذان میں باب طول النجوی۔ حافظ ابن حجر باب اول کی شرح میں فرماتے ہیں: وفیہ جواز الفصل بین الاقامۃ والاحرام اذاکان لحاجۃ۔

اعتراض (۱۵) اجتماعی اعمال کے ذرات کو انفرادی اعمال کا پہاڑ بتایا جاتا ہے۔

جواب۔ تو اسمیں تعجب اور تحیر کی کیا بات ہے!؟ انفرادی اعمال آدمی کی ذات تک محدود رہتے ہیں۔ اور اجتماعی اعمال کا نفع ساری امت اور انگنت انسانوں کو ہوتا ہے، مثلا مدارس میں ''اجتماعی عمل'' اسباق ہیں۔ اگر کوئی طالب علم سبق چھوڑ کر نماز، تلاوت، ذکر اور تسبیح میں مشغول ہو جائے، اور کوئی استاذ اسے نصیحت کرتے ہوئے یوں کہے: عزیز من! انفرادی اعمال کا ایک پہاڑ اجتماعی عمل یعنی سبق کے ایک ذرہ کی برابری نہیں کرسکتا، تو اسمیں غلط کیا ہوگیا؟

اسی طرح اگر کوئی شخص ''اجتماعی نماز'' چھوڑ کر انفرادی طور پر ہزار بار بھی پڑھ لے، تو یہ پہاڑ اس ذرہ کا مقابلہ نہیں، اور کبھی نہیں کرسکتا۔

دراصل اکیلے دین پر چلنا، اور مجتمع ہوکر دین پر چلنا، دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔آج یہ ملحوظ نہیں رہا۔حتی کہ اجتماعی اعمال ہی ختم ہوکر رہ گئے۔یا محدود ہوکر رہ گئے۔اور اللہ رب العزت کی وہ مددیں، جو من حیث الامہ تھیں رک گئیں۔وااللہ اعلم۔

واضح رہے کہ اس قول کے قائل حضرت مولانا مدظلہ نہیں ہیں، بلکہ ناقل ہیں یہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے منقول ہے۔اور راوی مفتی زین العابدینؒ ہیں شیخ نے ان کو خط میں یہ لکھا تھا۔اس کو انہوں نے رائیونڈ میں بیان کیا تھا۔

اعتراض (۱۶) طریق نبوت، اور طریق ولایت کو الگ الگ بیان کرنا۔

جواب۔ اسمیں اعتراض کی کیا بات ہے؟ طریق ولایت دراصل اپنی ذات پر محنت کرنے کا نام ہے۔اور طریق نبوت اپنی ذات پر محنت کرنے کے ساتھ ساتھ امت پر محنت کرنے کو کہتے ہیں۔دراصل اس مضمون کا اصل ماخذ حضرت مجدد صاحبؒ کے مضامین وتحریرات ہیں۔اور حضرت کے افادات اسقدر اہم ہیں کہ علمانے انھیں اپنی تفسیروں تک میں جگہ دی ہے۔دیکھیے قاضی ثناء اللہ صاحبؒ تفسیر مظہری (ج ٦،ص ر ١٥٧) میں تحریر فرماتے ہیں" قالوا مقتضی الولایة: الاستغراق والتوجه الی الله سبحانه وتعالی ومقتضی النبوة التوجه الی الخلق، والتحقیق ما حقق المجدد الالف الثانیؒ ان النبوة هی الافضل من الولایة .... بل التوجه الی الخلق لما کان باذن الله سبحانه وتعالی وعلی حسب امره ومرضاته فهو ایضا فی المعنی: التوجه الی الله سبحانه وتعالی۔

فانی فی الوصالی عبید نفسی وفی الهجران مولی للموالی

یعنی ولایت کا مقتضیٰ اللہ جل شانہ کے ساتھ ہمہ تن مشغول رہنا ہے، اور نبوت کا تقاضہ یہ ہے کہ خلق خدا کے ساتھ بھی مشغول رہے۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہی دوسری بات زیادہ افضل وبہتر ہے۔کیونکہ جب خلق خدا کیساتھ مشغول ہونا، بموجب امر الٰہی ہی ہے، اور اسی کی رضا کیلیے ہے، تو یہ بھی معنی توجہ الی اللہ ہے۔

قاضی صاحبؒ اس امر کی علتِ افضلیت کی طرف لطیف اشارہ فرما رہے ہیں کہ خلق خدا کیساتھ مشغول ہونا (دعوت الی اللہ کے ذریعے) نفس پر بار ہے، بمقابلہ حق تعالی کے ساتھ مشغول ہونے کے (عبادت کے ذریعہ)

ترجمۂ شعر عربی: جب مجھے محبوب کا وصال حاصل ہوجاتا ہے، تو اسوقت میں حقیقتاً اپنے نفس کا غلام ہوتا ہوں۔اور جب ہجر میں اسے یاد کرتا ہوں، اور تڑپتا ہوں تو واقعتاً محبوب کا غلام معلوم ہوتا ہوں۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ عبادتیں لذیذ معلوم ہوتی ہیں، بمقابلہ کسی مسلمان کی خوشامد کرنے، اور اسے اللہ سے ملانے کے۔

آج طریقۂ نبوت کی افضلیت کا بتلانا، بلکہ جھنجھوڑ کر امت کو اسکی طرف لانا وقت کا اہم تقاضہ ہے۔مسلمانوں کی حالت، انکے اپنے دین کے حوالہ سے بد سے بدتر ہوچکی ہے۔اور اس حال زبوں پر رونے والوں کا قحط آیا ہوا ہے۔سچ فرمایا تھا عارف تھانویؒ نے اللہ انکی قبر پر اپنی رحمت کی لاکھوں پھواریں برسائے۔"مسلمانوں میں دعوت الی اللہ کا باب ہی گم ہوگیا ہے۔حتی کہ جہاں قدرت ہے وہاں بھی نہیں۔اور جہاں قدرت نہیں، وہاں کا تو پوچھنا ہی کیا؟۔ہمارے بزرگ وہ تھے، کہ جہاں قدرت نہ تھی، وہاں بھی دعوت الی

الحق سے باز نہ رہتے۔اور ہم ہیں کہ قدرت کی جگہ بھی نہیں کرتے'' (تجدید تعلیم وتبلیغ:۹۹،۱۹۸)

اعتراض (۱۷) یہ بات بھی سننے میں آئی کہ موجودہ تبلیغ، اکابر ثلاثہ کے نہج سے ہٹ گئی۔اور اب اسکے گمراہی کا سبب بننے کا خطرہ ہو گیا ہے۔

جواب۔ اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ یہ اعتراض کوئی نیا نہیں ہے۔قریب قریب ہر دور میں یہ اعتراض دھرایا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کے رسالہ'' جماعتِ تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات'' میں (۱۸ نمبر) پر یہی اشکال، اور اسکا جواب مرقوم ہے۔جسکے بعض اقتباسات پیش ہیں۔

حضرت شیخ (ص ۱۱۶) پرفرماتے ہیں'' میں ان لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا موجودہ دارالعلوم دیوبند اسی طرز پر باقی ہے، جو حضرت نانوتوی قدس سرہ، اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے دور میں تھا؟ کیا مظاہر علوم سہارن پور اب اسی طریقہ اور اصول پر ہے، جو حضرت مولانا احمد علی صاحب نوراللہ مرقدہ۔اور حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نوراللہ قدہ کے دور میں تھا؟ کیا موجودہ جمعیت علمائے ہند وہی جمعیت ہے، جو حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا کفایت اللہ صاحب کے دور میں تھی؟ کیا موجودہ خانقاہیں وہی ہیں، جو حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے زمانے میں تھیں، اور اگر وہ نہیں ہیں تو کیا ساری گمراہی وضلالت ہیں؟ تو کیا یہ سارے ہی ادارے اور ان جیسے سارے ہی ادارے اب ضلالت وگمراہی بن گئے؟ حضورﷺ کا مشہور ارشاد ہے کہ میرا زمانہ سب سے بہتر زمانہ ہے، پھر اسکے بعد کا زمانہ، پھر اسکے بعد کا زمانہ۔اسلیے خیر القرون سے جتنا بھی بعد ہوتا جائیگا ظاہر ہے کہ وہ صلاح وفلاح خیر و برکات ہرگز نہیں رہ سکتیں جو سید الکونینﷺ کے دور میں تھیں۔تو کیا اب اسلام کو ضلالت وگمراہی کہا جائیگا؟ اور آگے فرماتے ہیں'' اکابر کے دور کی برکات اور انکے انوار بعد میں ڈھونڈنا یا بعد والوں کو انکے معیار پر جانچنا، نادانی کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟

اسی ذیل میں آگے فرماتے ہیں (ص ۱۱۸) پر حضرت حکیم الامت نوراللہ مرقدہ نے اپنے ایک ملفوظ میں فرمایا کہ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ ہم اپنی وضع پر نہیں رہے۔ہم اپنے بزرگان سلف کی سوانح دیکھتے ہیں کہ انکا برتاؤ دیکھ دیکھ کر لوگ مسلمان ہوتے تھے (افاضات یومیہ) کیا خدانخواستہ نعوذ باللہ خانقاہ اشرفیہ حضرت تھانویؒ کے دور میں ضلالت وگمراہی بن گئی تھی؟ جبکہ وہ اپنے اکابر کے طرز پر نہیں رہی تھی۔ یہ ناکارہ اپنے رسالہ آپ بیتی جلد اول کے ختم پر اپنے اکابر اور اسلاف کا طرز، مدارس کے معاملے میں اور اوقاف کے سلسلہ میں کئی واقعات لکھ چکا ہے۔جن پر عمل تو درکنار موجودہ اہل مدارس کے حلق کے تلے بھی نہیں اترتے۔تو کیا ان سب مدارس کو گمراہی کہدیا جائیگا، جنکا وجود موافق ومخالف سب کے نزدیک نہایت ضروری ہے۔ان سب کے باوجود مجھے نہ تبلیغ والوں کو معصوم بتانا ہے، نہ انکی بیجا حمایت کرنی ہے، نہ انکی غلطیوں سے انکار ہے۔اھ۔

اعتراض(۱۸) ایک اعتراض یہ ہے کہ دعوت وتبلیغ کے اس کام کی اہمیت کواس طرح سے بیان کیا جارہا ہے، جس سے دین کے دیگر شعبوں کا استخفاف ہورہا ہے۔

جواب۔ اس سلسلہ میں مولانا سعد صاحب کے وہ بیانات کافی ہیں جوعلم اور علماء اور مدارس دین کے بارے میں نہایت اہتمام کے ساتھ کئے گئے ہیں جن کا رکارڈ ہر جگہ محفوظ ہے اور مرکز بنگلہ والی میں جماعتوں کی روانگی کے وقت اکثر ہوتے ہیں اس سے اندازہ لگانا آسان ہے کہ دعوت وتبلیغ کے اس کام کی اہمیت کے ساتھ دین کے دیگر شعبوں کا کمال اہتمام مولانا کے بیانات میں کس قدر رہوتا ہے جس کے بعد مزید تفصیل کی ضرورت نہیں۔

فقط